نسیم اختر
اسکالر پی۔ایچ۔ڈی اُردو گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

آتش کی اُردو غزل اور بقائے دوام کے اسباب

Nasim Akhtar
Scholar Ph.D Urdu, Govt College University, Faisalabad.

The Urdu Ghazal of Atish and the Means of Survival

Khawaja Haider Ali Atish (1778-1847) was one of those few poets of The Subcontinent, who had not only made their name due to their natural fluency and disposition but also raised the status of Urdu Ghazal. He was a staunch advocate of comprehensive traditions in poetry and a true believer of humanism. Therefore, he has produced a genuine optimism in his poetry which has given his readers a genuine courage to live in the sad moments of their life. Like a true optimist, he has always tried to extract the real bliss and pleasure out of the sad and bleak realities of life instead of just crying and complaining. For which he has adopted a charming style on the one hand and so has skilfully presented the traditional characters of Urdu ghazal in his poetic world on the other hand that they have seemed full of life and colours. While reading his poetry with a smiling voice, it really creates a magical experience for the reader.

Key Words: *Humanism, Pure, Optimism, Sad moments, Optimist, Thick and Thin, Bliss and pleasure, Variety or colours, Mild smile, Magical experience.*

خواجہ حیدر علی آتش (۱۸۴۷ء۔۱۷۷۸ء) کا شمار اردو غزل کے چند گنتی کے شعرا میں ہوتا ہے۔ جنہوں نے اپنی طبیعت کی روانی اور شاعری کی فطری صلاحیت کے سبب نہ صرف خود نام کمایا بلکہ اردو غزل کا مرتبہ بھی بلند کیا۔ وہ انسان دوستی کی صالح روایت کے علم بردار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں رجائیت پیدا ہو گئی ہے جو شعر پڑھنے والوں کو زندگی کی مایوس گھڑیوں میں جینے کا حوصلہ فراہم کرتی ہے وہ ایک امید پرور انسان کی طرح ہر سرد و گرم صورتِ حال میں رونے اور رلانے کی بجائے لطف و نشاط کشید کرنا جانتے ہیں جس کے لیے انہوں نے ایک طرف تو اپنے دلفریب اسلوب سے کام لیا ہے تو دوسری طرف غزل کی روایت کے عام کرداروں کو اس مہارت سے شعر کے قالب میں ڈھالا ہے کہ ایک رنگارنگی اور زندہ دلی پیدا ہو گئی ہے جس نے تبسمِ زیرِ لبی کو جنم دے کر جادوئی کیفیت پیدا کر دی ہے۔

اگرچہ آتش کی غزل کا غالب میلان تصوف کے گرد گھومتا دکھائی دیتا ہے لیکن آخر وہ کونسی ایسی شے تھی جس نے ان کی غزل میں رنگینی و رعنائی پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ کرداری مجسموں کی ایسی تخلیق کی جو اردو کلاسیکی غزل میں شاذ ہی نظر آئے گی۔ ڈاکٹر سعد اللہ کلیم کی رائے اس حوالے سے معتبر معلوم ہوتی ہے ان کے خیال میں:

"آتش کی غزل کے حوالے سے جو تہذیبی و فکری رویے ہمارے سامنے ابھرتے ہیں ان میں ایک بڑا دلچسپ اور منفرد رویہ اس کا تحرک کی جانب میلان کا رویہ ہے اردو غزل کے مجموعی فکری پس منظر میں "سکون" (بمقابلہ حرکت) کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے حرکت اگر ہے بھی تو اس کا ماخذ بھی سکون ہے اور اس کی منزل بھی سکون ہے مگر آتش کی غزل میں حرکت کا تصور اتنا نمایاں ہے کہ قاری اسے اتنی آسانی سے نظر انداز نہیں کر سکتا۔"(۲)

یہی حرکت کا تصور اور رجحان کبھی انہیں کبوتر بازی کی طرف متوجہ کرتا ہے تو کبھی تلوار بازی کی طرف، گیر دانہ بند باندھنا اور سچے کام کا سلیم شاہی جوتا پہن کر ہاتھ میں ڈنڈا رکھنا جس میں سونے کا چھلہ ہو۔(۳) بھی اسی میلانی کی طرف اشارہ ہے جس کے زیر اثر وہ ایسے اشعار تخلیق کرتے ہیں جو پڑھنے والوں کو داخلی لطف دینے کے ساتھ خارجی مرقعے مہیا کرتے ہیں کہ مسکراہٹیں بکھری چلی جاتی ہیں۔

آتش کا تصوفانہ مزاج انہیں بلا تفریق اپنے نظریات کے اظہار کا حوصلہ بخشتا ہے اسی لیے وہ اپنے اشعار میں طنزیہ و مزاحیہ مضامین لاتے ہیں تو ان کا پہلا نشانہ خود اپنی ذات ہوتا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اعصابی طور پر مضبوط انسان تھے ورنہ ایک عام انسان نہ تو دوسروں کا طنز برداشت کرتا ہے اور نہ ہی اسے خود میں کوئی کمی نظر آتی ہے اس حوالے سے وہ جہاں مضمون آفرینی سے کام لیتے ہیں وہیں پر ان کا اسلوب اور الفاظ کا انتخاب قابل داد ہے اشعار ملاحظہ کیجئے جس میں وہ محبوب کو اپنے ارادوں سے آگاہ کرتے ہوئے اپنے مزاج اور نظریات سے کس دیدہ دلیری سے آگاہ کر رہے ہیں الفاظ کے تارو پود نے شعر کو سنجیدہ فن پارہ ہونے کے باوجود تفننِ طبع کا دلکش شہکار بنا دیا ہے:

وہ نہیں ہوں کہ رُکھائی سے جو ٹل جاؤں گا
آج جاتا تھا تو ضد سے تری کل جاؤں گا
کھینچ کر تیغ کمر سے کسے دکھلاتے ہو

نافِ معشوق نہیں ہوں جو میں ٹل جاؤں گا[۴]

آتش نے اپنا کردار بہت سے اشعار میں بڑے خوب صورت انداز میں مترسح کیا ہے ایسے اشعار میں بلاوجہ کی خود ستائش کی بجائے لفظی چھیڑ چھاڑ نے حسن معنی اور معنی آفرینی کی ایک نئی دنیا آباد کر دی ہے جس کا ہر رنگ محظوظ کرنے کی صلاحیت سے مالا مال ہوتے ہوئے اس بات پر دلالت ہے کہ شاعر زندگی اور زندہ دلی کو اسلوب حیات سمجھتا ہے انہوں نے محبت میں پیش آنے والے صدمات اور ان کے نتیجے میں عاشق کی کیفیات کو اپنے کردار میں ایسے ہلکے پھلکے انداز میں پیش کیا ہے کہ قاری غمزدہ ہونے کی بجائے مسکرا اٹھتا ہے:

تختہ نردِ عشق دل کھیلا جو حسن یار سے
اڑ گئے ایسے مرے چھکے کہ ششدر ہو گیا[۵]

شاعر نے اپنی حیرانی و پریشانی کو چھکے اڑنا سے بدل کر ایک ایسی کیفیت پیدا کر دی ہے جو ایک الگ پورا سمعی و بصری تاثر اور ابلاغ رکھتی ہے آتش چونکہ حسیات خمسہ اور ان کے استعمال کا پورا پورا ادراک رکھتے تھے لہٰذا انہیں معلوم ہے کہ کون سی حسِ انسانی سے کب کام لے کر شعر کے حسن کو دوچند کرتا ہے بقول ڈاکٹر سعد اللہ کلیم:

"آتشِ ادراک حسن میں بیش تر باصرہ سے کام لیتا ہے اس کے بعد شامہ اور سامعہ بہ روے کار آتی ہے لیکن لامسہ کو بھی اس نے نظر انداز نہیں کیا۔"[۶]

آتش کی شاعری پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں زبان دانی پر پوری پوری مہارت حاصل تھی یہی سبب کہ ان کے اشعار میں زبان کے وہ تمام متنوع رنگ دیکھنے کو مل جاتے ہیں جن سے شعر آب دار ہو سکتا ہے وہ شعر کہتے ہوئے محاورات کا بھی اچھا اور برمحل استعمال کرتے ہیں جس سے معنی کی وسعتوں میں اضافہ ہونے کے علاوہ زندہ دلی اور انفرادیت کی فضا جنم لیتی ہے۔ جو آتش کی پہچان اور تعارف کہی جا سکتی ہے۔ ایک شعر دیکھئے جس میں انہوں نے اپنے ذاتی کردار کو محض ایک محاورے کے اچھوتے استعمال سے ایسا دلکش بنا دیا ہے کہ استفہامیہ انداز پیدا ہونے کے ساتھ، بے ساختہ مسکراہٹ بھی لبوں پر بکھری معلوم ہوتی ہے۔ جو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ صرف لکھنوی شاعری یا تصوف کی نمائندگی نہیں کرتے بلکہ ان کی شاعری میں ایک منفرد مزاح نگار کے بھی تمام تر اوصاف موجود ہیں جنہیں وہ گاہے گاہے زبان کا ذائقہ بدلنے کے لیے پیش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

ہوا جو گوش زد افسانہ حسنِ یار کا آتش
ہماری لال ٹپکی شربتِ دیدار پر کیا[۷]

ان کے خیال میں خوب صورت لوگوں کو دیکھنے سے صرف وہ ہی بے خود نہیں ہو جاتے بلکہ اچھے خاصے دین دار اور بزرگ و عمر رسیدہ لوگ بھی اپنے حواس کو بیٹھتے ہیں۔ آتش نے اس طرز کے اشعار کو اثر آفریں بنانے کے لیے سنجیدہ اسلوب اختیار کرنے کی بجائے مزاحیہ انداز اختیار کیا ہے جس سے شعر اپنا اظہار دینے کے علاوہ مزاح کا اچھوتا نمونہ بھی بن گیا ہے:

تعریف تیرے حسنِ جوانی کی کیا کروں
طفلی میں تجھ پہ لال ٹپکتی تھی پیر کی (۸)

قاصد اُردو غزل کا ایک مقبول کردار ہے جسے ہر عہد کی غزل میں کسی نہ کسی رنگ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ عاشق کے لیے یہ کسی نعمت سے کم نہیں کیونکہ مشکل حالات میں یہ اس کے کام آتا ہے اس کا پیغام معشوق کے پاس لے جاتا ہے اور ردِ عمل میں بعض اوقات بہت کچھ سخت و نہ پسندیدہ بھی اسے سننا پڑتا ہے۔

آتش نے بھی اپنی شاعری میں قاصد اور نامہ بر کے کردار کو اپنے جذبات کے اظہار کے لیے پیش کیا ہے۔ اس طرح کے اشعار میں وہ کبھی تو نامہ بر کے نہ ملنے پر پریشان نظر آتے ہیں تو کبھی اس سہولت کی عدم دستیابی انہیں شکر ادا کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ نہ جانے قاصد اگر پیغام لے جاتا تو اس کا کیا نتیجہ نکلتا۔ انہیں اس بات کا بھی اندازہ ہے کہ محبوب کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار کرنا جو ہے شہر لانے سے کم نہیں ہے۔ لکھنوی دبستان سے وابستہ ہونے کے باوجود آتش اپنے جذبات کے اظہار کے لیے پختگی اور زبان کی سادگی کو ملحوظ نظر رکھتے ہیں جس سے شعر عام فہم ہونے کے ساتھ ایک ایسا حسن جنم لیتا ہے جو انہیں اپنے عہد کے دیگر شعرا میں انفرادیت بخشتا ہے بقول ڈاکٹر غلام آسی رشیدی:

"آتش کے یہاں تغزل کا ستھرا اور پاکیزہ معیار ملتا ہے ان کی غزلوں میں جذبے کی تڑپ اثر آفرینی اور کمالِ حسن نمائی کے ساتھ زبان کی صفائی، عام فہم اور موثر ہے جس میں موتیوں کی سی آب دار اور چاندنی کی سی کیفیت ہے۔"(۹)

نکلتی منہ سے قاصد کی نہیں بات
مگر لایا ہے پیغام زبانی (۱۰)

عاشق کی حیات ہمیشہ سے مسائل کا شکار رہی ہے یہ الجھنیں جہاں معشوق کی بے مروتی سے تخلیق پاتی ہیں وہیں پر زمانے کی ستم ظریفی بھی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ جس میں خاص طور پر رقیب کا کردار ازل سے قابلِ ذکر

کیا جاسکتا ہے رقیب کی پوری طرح کوشش ہوتی ہے کہ محبوب کو اپنی چالاکیوں اور جھوٹی باتوں سے عاشق سے بد ظن کر دے تا کہ وصال کی کوئی صورت پیدا نہ ہو لہٰذا اس کا ردِ عمل آنا ایک فطری عمل ہے اسی سبب ہم دیکھتے ہیں کہ ہر زبان کی شاعری میں رقیب کا کردار مطعون وملون بنا کر پیش کیا جاتا ہے اردو غزل بھی اس روایت سے خالی ہیں ڈاکٹر تنویر احمد علوی کے الفاظ ہیں:

> "رقیب کہیں دوست ہو تا ہے اس لیے کہ محبوب کو وہ بھی چاہتا ہے اور دونوں کی پسند اور نہ پسند ایک ہوتی ہے کہیں کہیں اس کی خوبیوں کا اعتراف بھی کیا جاتا ہے مگر زیادہ تر اسے رقیب روسیاہ کے خطاب سے نوازا جاتا ہے۔۔۔ اُردو اور فارسی شاعری میں خاص طور پر رقیب کے رویے اور رقابت کی روش کے تحت بہت شعر کہے گئے ہیں۔"(۱۱)

آتش کی شاعری میں بھی رقیب صرف رقیب نہیں بلکہ شاعر کی رقابت کی وجہ سے رقیب روسیاہ ہے جو نہ تو خود کچھ حاصل کر پاتا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے کو کچھ حاصل کرنے دیتا ہے اس کا کردار ایک فسادی اور فتنہ پرور سے زیادہ نہیں جو اپنی نامرادیوں کا بدلہ دوسروں کو نہ مراد کر کے لیتا ہے۔ لیکن آتش کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے رقیب کے حوالے سے جہاں بھی مضمون باندھا ہے اپنے داخلی جذبات کا اظہار بھی ضرور کیا ہے لیکن طنزیہ و مزاحیہ چھیڑ چھاڑ بھی پیدا کی ہے جس سے شعر کا تاثر انتقامی بننے کے بجائے خفیف ہنسی کو تحرک ملتا ہے جس سے شعر کا تاثر اور بھی ابھر کر سامنے آتا ہے:

جنبشِ ابروے قاتل میں نہ ٹھہرے گا رقیب
چہرہ نامرد زخمِ تیغ کے قابل کہاں
یاد میں تیری رقیب روسیہ جاگا تو کیا
مرتبہ عالی نہ ہو خفاش شب بیدار کا(۱۳)

صیاد کا کردار اردو غزل کے حوالے سے نیا نہیں اکثر شعرانے اسے اس کے ظالمانہ رویے کے سبب طنز کا نشانہ بنایا ہے کیونکہ جہاں بھی یہ کردار شعر کا حصہ بنتا ہے منفی ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے وہ اپنے طرح طرح کے منصوبوں کے بل بوتے پر معصوم جانوں کو اپنا قیدی بنانے کی کوشش میں حد سے گزرتا نظر آتا ہے۔ یہ ایک ایسا

کردار ہے جو آزادی سے زندگی بسر کرتے چرند، پرند اور انسانوں کو قیدِ غلامی میں جکڑنے کو اپنی کامیابی تصور کرتا ہے۔

آتش کی شاعری میں بھی اِسے موضوعِ شعر بنایا گیا ہے لیکن آتش نے اپنی ندرت بیان اور تخیل کی بلندی کے سبب اسے محض روایتی انداز میں پیش نہیں کیا بلکہ ان کے ہاں صیاد بذاتِ خود اذیت اور پریشانی میں مبتلا نظر آتا ہے آتش کے ایسے اشعار میں تمثیلی یعنی دعوے و دلیل پیش کرنے کا رنگ بھی نمایاں ہو جاتا ہے جس سے ان کی عقل پسندی یا استدلالی ذہن کا اندازہ ہوتا ہے ایسے اشعار میں ان کی توجیہات ندرت آمیزی سے خالی نہیں ہے۔ ان میں وہ تلمیحات سے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور عام مشاہدے سے بھی کبھی کبھی اس میں شوخی بھی آ جاتی ہے۔ [۱۴] جو شعر پڑھنے والوں کو محظوظ کرنے کا وسیلہ بنتی ہے ایک شعر دیکھئے کہ اس میں صیاد کو کس قدر بے بس دکھایا گیا ہے شعر کی بناوٹ نے شعر کے اظہار میں جو شوخی و شرارت پیدا کی ہے وہ کس سے ڈھکی چھپی نہیں۔ اس سے ایک ایسی مسکراہٹ جنم لیتی ہے جو کسی جبر کے ہٹ جانے سے پیدا ہوتی ہے جب کوئی صید زبوں خود کو غلامی سے آزاد پا کر کھکھلا اٹھتا ہے:

آیا تھا بلبلوں کی تدبیر میں، گلوں نے
ہنس ہنس کے مار ڈالا صیاد کو چمن میں [۱۵]

زاہد کا کردار اصولی طور پر تو پرہیز گار کے معنوں میں آنا چاہیے تھا لیکن شعر کے پیکر میں زاہد کو جن معنوں میں استعمال کیا گیا ہے وہ "زاہد سالوس" کی ترجمانی کرتا ہے جس کے ظاہر اور باطن میں کھلا تضاد پہلی ہی نظر میں دکھائی دے جاتا ہے۔

آتش کی غزلیات میں بھی زاہد کے حوالے سے دسیوں اشعار پڑھنے کو ملتے ہیں جس میں ان کا اسلوب اور مضمون سنجیدگی کی بجائے ایسی چٹکیاں کاٹتا ہے جو داخلی دنیا میں گدگدیاں پیدا کرے ہنسنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ آتش اس حوالے سے نہ تو ابتذال کا شکار ہوتے ہیں اور نہ ہی چھچھورے پن کا مظاہرہ کرتے ہیں بلکہ ان کے مزاج کی متانت اور مشاہدے کی سنجیدگی بھی برقرار رہتی ہے اور طنز کا ایسا وار بھی چل جاتا ہے جو دوہرے رویے کی نشاندہی کرنے کا وسیلہ بنتے ہوئے ہر طبع کے قاری کے لیے تسکین کا موجب ہوتا ہے۔

آتش کو زاہد کی اس بات سے شدید چڑ ہے کہ وہ خود تو اپنی نصیحتوں پر عمل پیرا نہیں ہوتا اور بلاوجہ دوسروں کے لیے خدائی فوج دار کا فریضہ سر انجام دیتا ہے۔ آتش اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے بڑے خوبصورت طنزیہ انداز میں زاہد کو اس کی تقریروں کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

بجا یادِ الٰہی میں ہے شب بیداری زاہد

یقیں ہے نیند اڑ جاتی ہے ہوتا ہے جہاں کھٹکا(۱۶)

آتش کو زاہد کی یہ بات بھی بری لگتی ہے کہ وہ بار بار دنیا کے معاملات میں آخرت کی حور کا ذکر لے آتا ہے اس سے تو صاف لگتا ہے کہ اسے پرہیز گاری کا کوئی شوق نہیں بلکہ وہ آخرت کی حور کی طلب میں دنیاوی حسن اور دیگر معاملات سے کنارہ کشی اختیار کیے ہوئے ہے آتش اس طرح کی روزانہ کی تکرار سن کر تنگ آجاتے ہیں تو اپنے محبوب کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ ذرا اپنا نقاب پلٹ دو تا کہ زاہد کو اندازہ ہو کر دنیاوی محبوب بھی حسن میں ایمان شکن ہوتے ہیں۔ آخرت کا معاملہ تو بعد کا ہے پہلے حسنِ انساں سے تو نمٹ لیا جائے۔ جو اختیار میں ہے اس سے پرہیز کے مشورے اور جو دیکھا نہیں اس کی مدح سرائی کہاں کی دانائی ہے؟

دکھادے زاہد مغرور کو بھی اے صنم آنکھ

جمالِ حور کا حد سے سوا افسانہ ہوا(۱۷)

شیخ مذہبی دنیا کا معروف کردار ہے جس کا کام اصلاح مشورہ اور حق کی طرف رہنمائی کرنا ہوتا ہے لیکن شعر و ادب میں اسے دیگر معنوں میں لیا گیا ہے جن کا معنی اکثر منفی رجحانات کی طرف اشارہ کرتا ہے بقول ڈاکٹر انصر علی رومانی:

> ”کلاسیکی اردو غزل چونکہ مخصوص ماحول، تہذیب و تمدن اور مقاصد کے زیرِ اثر پروان چڑھی نتیجتاً اس کی علامات، تشبیہات و استعارات اور کرداروں کا مذہبی سیاق و سباق ہونا کوئی انہونی بات نہ تھا واعظ و ناصح، شیخ و برہمن، صوفی و ملا اور قاضی و پیر کے کردار اسی کا ردِ عمل ہیں لیکن شعرا نے ان کے ظاہر و باطن کے تضاد سے خوب رونق کھائی ہے۔“(۱۸)

آتش کی شاعری کا ایک قابلِ ذکر حصہ چونکہ تصوف کے مضامین پر مشتمل ہے لہٰذا ان کے توسط سے اور شاعری کی روایت کے پیش نظر ان کی شاعری میں بھی شیخ کا کردار تسلسل سے بیان ہوا ہے لیکن آتش نے جہاں بھی اسے شعر کے قالب میں ڈھالا ہے فلسفیانہ سنجیدگی کی بجائے ہلکے پھلکے طنز و مزاح کی فضا میں بکھرتے چلے گئے ہیں۔ آتش کے خیال میں شیخ کی جو عملی ذمہ داری بنتی تھی وہ اسے نہیں نبھا رہا بلکہ اس کے کردار اور گفتار میں واضح تضاد ہے جو اس بات پر دلالت ہے وہ صرف گفتار کا غازی ہے کردار کا غازی ہرگز نہیں۔ شاید اسی سبب اس کی معاشرے میں وہ عزت نہیں جو اس کا حق بنتا تھا یہاں تک کہ بچے بھی اس کی اصلیت سے آگاہ ہیں لہٰذا وہ اس کی حسن پرستی کی کمزوری سے مابدہ اٹھاتے ہوئے اسے خوب ذلیل و رسوا کرتے اس آتش کے اندازِ بیاں نے شعر کو اور بھی دل نشین بنا دیا ہے:

فسوں گر کوئی ان مطرب بچوں سے کیا فزوں ہوئے
سرِ مجلس اترواتے ہیں شیخ و شاب کا جوڑا[۱۹]

آتش کے خیال میں دنیاوی محبت سے کنارہ کشی کا مشورہ دینے والا شیخ خوب حسن مجازی کا اس قدر رسیا ہے کہ تلاشِ یار میں اس کے پاؤں میں آبلے پڑ چکے ہیں مگر وہ اپنی گفتار اور کردار سے باز نہیں آیا:

کون سر گرداں نہیں ہے جستجوئے یار میں
پڑ گئے ہیں پائے شیخ و برہمن میں آبلے (۲۰)

آتش قاضی کو بھی طنز کا نشانہ بناتے ہیں ان کے مطابق انصاف نام کی کوئی چیز باقی رہی ہی نہیں۔ ہر صاحب اقتدار حرص و لالچ اور کسی نہ کسی ذاتی مجبوری کے زیر اثر انصاف کو داؤ پر گھائے ہوئے ہے لہٰذا حالت اب یہ ہے کہ وہ شخص جو حق پر ہو اسے کوئی منہ کھانے والا نہیں اس کی کوئی دادرسی کرنے والا یہاں رہا۔ آتش نے ایک عام سے مضمون کو شعر کے جامے میں کے ساتھ منفرد بنا دیا ہے ملاحظہ کیجئے:

ہو گیا دیکھ کے قاضی بھی طرف دار اس کا
بے گنہ خون مسلماں نہ ہوا تھا، سو ہوا (۲۱)

آتش کا کمال یہ ہے کہ وہ روشِ تمام پر چلنا پسند نہیں کرتے اور نہ ہی بلاوجہ زبان کا تڑکا لگا کر وقتی رنگ جماتے ہیں کیونکہ یہ انداز مشاعرہ باز شعرا کا ہوتا ہے آتش کی شاعری کا مطالعہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ انہوں نے شاعرانہ تخیل سے استعمال ہونے والی تشبیہات و استعارات کو ایک نیا جہانِ دلکشی عطا کر دیا ہے جس کا اصل جادو

ان کے خالص تغزل میں پنہاں ہے انہوں نے برسوں سے رائج علاماتِ شعری کو نیا آہنگ اور نئے مفاہیم میں پیش کر کے اردو شاعری کے کینوس کو وسیع تر کر دیا ہے۔ جہاں سنجیدگی و متانت کے بطن سے شوخی و زندہ دلی ٹپکتی ہے جو غموں میں جینے اور پریشانیوں میں مسکرانے کا حوصلہ دیتے ہوئے نہ صرف اپنے عہد کے انسان کے داخلی غبار کا تزکیہ کرتی رہی بلکہ آج کا قاری بھی اس سے اپنی نفسیاتی کشمکش میں جیئے جانے کا حوصلہ کشید کرتا ہے ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی کلام آتش کی ان خوبیوں پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> " غزل کی یہ دھن اور یہ لے یہ ہما ہمی اور یہ للکار، یہ معرکہ آرائی اور جاں سپاہی، یہ نشہ اور یہ ترنگ، آواز کا یہ گاڑھا پن اور دھمک شعرائے ماضی کی تمام مانوس آوازوں سے علیحدہ ہے ان اشعار کو پڑھتے ہوئے ایک بات اور بھی محسوس ہوتی ہے کہ غزل کی عام تشبیہات اور پامال استعاروں سے ہٹ کر راہِ راست سے تغزل کا جادو جگایا ہے غزل کی علامات کو آتش نے ایک نیا مزاج اور ایک نیا آہنگ دے دیا ہے۔"(۲۲)

ڈاکٹر خلیل الرحمٰن کی رائے یقیناً صداقت پر مبنی ہے مثلاً آتش کے واعظ و ناصح کے حوالے سے کیے گئے اشعار کو ہی لے لیجئے روایت کے ساتھ رشتہ بحال رکھتے ہوئے بھی شاعر نے اس میں ایک نیا پن پیدا کر دیا ہے جو ایک طرف ان کرداروں کی اصلاحیت بے نقاب کرتا ہے تو دوسری طرف طنزیہ تار و پود تبسمِ پنہاں کی کیفیت کو جنم دے کر قاری کے دل کی کلی کو پھول بنا دیتا ہے:

پائے خم مستوں کے ہو حق کا جو عالم ہے سو ہے
سرِ منبر وہی واعظ کا بیاں ہے کہ جو تھا[۲۳]

آتش کا ہنر یہ ہے کہ وہ ناصح کی بے موقع کی تبلیغ اور پند و نصح سننے کی بجائے اسے اپنے مشوروں کے دام میں لے آتے ہیں یہ کیفیت ایک ایسے شخص کی بیچارگی کو تخلیق دیتی ہے۔ جو اپنے آپ کو دوسروں سے کہیں عاقل و دانا سمجھتا ہے لہٰذا کیفیت کے الٹ پھیر سے شاعر نے زندہ دلی کی ایسی صورت پیدا کر دی ہے۔ جو بے ساختہ ہنسنے پر مجبور کر دیتی ہے:

آنکھ کیوں کر میں رخِ یار سے پھیروں ناصح
کچھ مداوا ہی نہیں چشم کی بیماری کا[۲۴]

درج بالا بحث سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کلام آتش کی پذیرائی میں جہاں ان کے سنجیدہ موضوعات نے اہم کردار ادا کیا ہے وہیں پر ان کے شاعرانہ کرداروں نے بھی کلیدی حصہ ڈالا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری کی بقول ڈاکٹر سلیم اختر:

> "آتش کی زندگی میں ان کی جتنی عزت تھی، آج اس میں کہیں زیادہ اضافہ ہو چکا ہے لکھنؤ کے انحطاط پذیر معاشرہ نے ان کے وقت تک گندے پانی جیسی صورت اختیار کر لی تھی لیکن آتش اس میں کنول کی طرح عفتِ جذبات کی علامت بن جاتے ہیں جنسی پرستی کے اس لکھنؤ میں آتش کا کلام کسی لکھنوی بانکے کا نہیں۔ بلکہ دلی والے کا معلوم ہوتا ہے لیکن یہ دلی والا درد یا میر کے لب و لہجہ میں بات کرنے کی بجائے نشاطیہ لے میں گیت گاتا ملتا ہے۔"(۲۵)

یوں مجموعی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ آتش کی شہرت اور مقام و مرتبہ میں ان کے شاعرانہ کرداروں کا بھی اتنا ہی حصہ ہے جتنا ان کی آتش بیانی اور تصوفانہ مضامین کا۔ یہی وہ رنگ ہے جس نے ان کے کلام کی سنجیدگی کو پڑھنے والوں کے لیے زندہ دلی کے پر لطف تصور میں ڈھال دیا ہے جس کا سحر ہر گزرتے عہد کے ساتھ پڑھتا چلا جا رہا ہے جو ایک کامیاب اور آفاقی فن کے لیے کسی سند سے کم نہیں ہے۔

حوالہ جات

۱۔ اعظمی، خلیل الرحمٰن، مقدمہ کلام آتش، علی گڑھ: شعبہ اردو مسلم یونی ورسٹی، ۱۹۵۹ء، ص۹

۲۔ سعید اللہ کلیم، ڈاکٹر، اردو غزل کی تہذیبی و فکری بنیادیں، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء، ص ۵۵۴

۳۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، لکھنؤ کا دبستان شاعری، لاہور: مطبوعہ اردو مرکز، ص ۵۶۲

۴۔ آتش، خواجہ حیدر علی، کلیات آتش، مرتبہ، سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۵ء، ص ۱۱۵

۵۔ ایضاً، ص۱۳۸

۶۔ سعد اللہ کلیم، ڈاکٹر، اردو غزل تہذیبی و فکری بنیادیں، ص۱۰۷

۷۔ آتش، خواجہ حیدر علی، کلیات آتش، ص۱۲۴

۸۔ ایضاً، ص۳۳۸

۹۔ غلام آسی رشیدی، ڈاکٹر، اردو غزل کا تاریخی ارتقا، لاہور: دارالشعور، ۲۰۱۵ء، ص۱۷۱

۱۰۔ آتش، خواجہ حیدر علی، کلیات آتش، ص۳۴۱

۱۱۔ تنویر احمد علوی، ڈاکٹر، کلاسیکی اُردو شاعری کے روایتی ادارے کردار اور علامتیں، دہلی: شاید پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص۱۳۸

۱۲۔ آتش، خواجہ حیدر علی، کلیات آتش، ص۲۶۰

۱۳۔ ایضاً، ص۶۹

۱۴۔ محمد ذاکر، خواجہ حیدر علی آتش، نئی دہلی: ساہتیہ اکادمی، ۱۹۸۹ء، ص۵۶

۱۵۔ آتش، خواجہ حیدر علی، کلیات آتش، ص۲۷۴

۱۶۔ ایضاً، ص۸۷

۱۷۔ ایضاً، ص۹۲

۱۸۔ انصر علی رومانی، ڈاکٹر، اردو شاعری پر مذاہب کے اثرات، دکن: جمنا پرنٹنگ پریس، ۱۹۸۳ء، ص۱۹

۱۹۔ آتش، خواجہ حیدر علی، کلیات آتش، ص۹۳

۲۰۔ ایضاً، ص۳۴۸

۲۱۔ ایضاً، ص۸۱

۲۲۔ خلیل الرحمٰن اعظمی، ڈاکٹر، آتش کا فن اور شاعری، مشمولہ: ولی سے آتش تک، مرتبہ، ایم حبیب خاں، دلی: عبدالحق اکادمی، ۱۹۹۱ء، ص۱۸۴

۲۳۔ آتش، خواجہ حیدر علی، کلیات آتش، ص ۶۰

۲۴۔ ایضاً، ص ۸۳

۲۵۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء، ص ۲۰۵